سے شاہ صاحب نے استفادہ کیا ہے، جب تک ان تک موجودہ نسل کی رسائی نہیں ہوگی، شاہ صاحب کو ٹھیک طرح سمجھا نہیں جا سکتا۔ مزید برآں شاہ صاحب نے جس حد تک کام کو بڑھایا ہے، وہ آخری حد نہیں ہے۔ اس کام کو اور آگے بڑھانا چاہیئے۔ اور اس کے لئے باہمت نفوس کی ضرورت ہے، اور وہ جب ہی پیدا ہوں گے کہ تحقیق اور ریسرچ آزادانہ اور وسیع پیمانے پر ہو۔ اب وقت آگیا ہے کہ بے جا تقدس کو راستہ میں بلا وجہ اور بے فائدہ حائل نہ ہونے دیا جائے۔

(حکیم) محمد قاسم۔ مزنگ لاہور

"الرحیم" کے دوسرے شمارے میں "عرب قومیت، اشتراکیت اور اسلام" مضمون پڑھا۔ واقعہ یہ ہے کہ آج دنیا میں بڑے پیمانے پر سیاسی، معاشی اور سماجی تبدیلیاں ہو رہی ہیں اور پس ماندہ اور محکوم قومیں ترقی اور آزادی کی منزل پر پہنچنے کے لئے کوشاں ہیں۔ صرف عرب ممالک میں ہی نہیں ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے دوسرے ممالک میں بھی آئے دن انقلابات رونما ہو رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ترقی یافتہ حکمراں قوموں نے پس ماندہ محکوم قوموں کو سیاسی آزادی دینے کے بعد بھی بدستور اپنی اقتصادی غلامی میں جکڑ رکھا ہے جس کے خلاف ان کے عوام میں سخت ہیجان برپا ہے اور وہ اپنے ہاں سیاسی آزادی کے بعد اقتصادی آزادی بھی بروئے کار لانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے اپنے سماج میں بنیادی اور دور رس تبدیلیاں لانے کے حق میں ہیں۔ یہ ساری کشمکش آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہی ہے،

سوال یہ ہے کہ یہ تبدیلیاں کیسی ہوں گی، اور انہیں کون لائے گا؟ کیا استحصال پسند طبقے اپنے اپنے ملکوں میں یہ تبدیلیاں لا سکتے ہیں اور آیا یہ تبدیلیاں دینی حدود کے اندر ہوں گی، یا ان کے لئے دین کا انکار کرنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ اگر ان ملکوں کی سیاسی قیادتوں کو دین کی کوئی ایسی عملی تعبیر مل گئی، جو آج کے سماجی و سیاسی تقاضوں کو پورا کر سکے، تو وہاں جو انقلابات ہوں گے، ان میں مذہب کا انکار ضروری جزو نہیں ہوگا۔ اور ان کی قومی زندگی میں لازماً مذہب کی باقیات صالحات رہیں گی۔ ان دنوں جو کچھ عرب دنیا میں ہو رہا ہے وہ دیر یا سویر دوسرے ملکوں میں بھی ہو کر رہے گا۔ اور وہ اس لئے کہ صنعتی اور مشینی زندگی اپنے ساتھ سماجی اور سیاسی تبدیلیاں لازمی طور پر لاتی ہے۔ خدانخواستہ اگر ہم مذہب کا وہی جامد تصور پیش کرتے رہے جو گزشتہ زمانے میں یورپ کے کلیسا نے